بحث ونظر

حدیثِ نبوی پر برِ صغیر کا مسیحی لٹریچر

جناب ساجد اسد اللہ داؤدی
پروفیسر عبدالرؤف ظفر

عہد حاضر میں جن دو مذاہب کے مطالعہ اور تحقیق پر سب سے زیادہ توجہ دی جارہی ہے وہ اسلام اور عیسائیت ہیں۔ موجودہ سیاسی پس منظر سے ہٹ کر، ان دونوں مذاہب کے مابین فکری ونظریاتی بحث اسلام کی آمد ہی سے شروع ہو جاتی ہے، کیونکہ اس کا آغاز 'اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامَ' (آل عمران: ۱۹:۳) کے اعلان ہی سے ہو گیا تھا۔ اسلام کا ابتدا سے ہی دعویٰ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ذریعے سلسلۂ وحی آل ابراہیم میں بنواسرائیل سے بنو اسماعیل میں منتقل ہو گیا ہے[1] اس وقت سے (یہودیت کے ساتھ) عیسائیت سے بھی جو دنیا کے غالب اکثریتی مذاہب ہیں کشمکش جاری ہے۔ اس کشمکش کے تاریخی طور پر دو بڑے ادوار ہیں:

(i) قبل از فتح قسطنطنیہ (ii) بعد از فتح قسطنطنیہ

یہاں اس کا تاریخی جائزہ مقصود نہیں، صرف اتنی وضاحت ضروری ہے کہ قسطنطنیہ کی فتح ۱۴۵۳ء کے بعد عیسائیوں کی طرف سے مقابلہ کا انداز بدل گیا اور انہوں نے میدان جنگ سے زیادہ فکری میدان کی طرف توجہ دی۔[2]

تاریخ برصغیر پاک وہند میں یہ دونوں مذاہب خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ چار بڑے مذاہب: ہندومت، بدھ مت، جین مت اور سکھ مت کی جنم بھومی برصغیر میں اجنبی حیثیت سے وارد ہونے والے مذاہب: عیسائیت اور اسلام دونوں ایک طرف تو سیاسی رسوخ حاصل کرتے ہوئے مسند حکمرانی تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہرے اور دوسری طرف معاشرتی وسماجی حوالے سے یہاں تمام شعبہ ہائے حیات میں نمایاں تاریخی ومذہبی

تبدیلیوں (جیسے ہندومت میں اصلاحی تحریکات) کا سبب بھی بنے۔ پھر جب استعماری طاقتوں کے جلو میں سیاسی غلبہ کے ساتھ برصغیر میں مسندِ حکومت پر صلیب بلند ہوئی تو ماضی کے برعکس اب حکومتی غلبہ کے ساتھ تبشیری نفوذ کی طرف خاص توجہ دی جانے لگی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے بعد برصغیر میں سیاسی کشمکش کے ساتھ دعوتی و تبشیری میدان میں دونوں مذاہب ایک دوسرے کے بڑے حریف ثابت ہوئے، جس پر یہاں کا مسیحی مسلم مناظراتی لٹریچر شاہد عدل ہے۔ یہ لٹریچر برصغیر کے کلامی ادب کا ایک معتد بہ حصہ بھی ہے۔

یہ بات خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ ہمیں اسلام کے بارے میں مغربی اندازِ فکر اور برصغیر کے مسیحی رویہ میں کوئی فرق نظر نہیں آتا، کیونکہ سوچ اور فکر کا قالب ایک ہی ہے۔ برصغیر کے مسیحی لٹریچر کا عمومی مزاج دراصل ان مستشرقین کا ہی پرتو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر کے مسیحی قلم کار اسلام، پیغمبر اسلام اور تعلیمات اسلام پر نقد و جرح میں برابر ان کی نقالی کرتے ہیں اور یہاں پر کوئی نیا دیسی ''گولڈ زیہر'' یا ''شاخت'' نظر نہیں آتا۔

مقالہ ہذا میں برصغیر کے مسیحی لٹریچر میں ''نظریۂ حدیث'' اور ''نقل حدیث'' کے حوالے سے ایک تعارفی جائزہ پیش خدمت ہے جس سے پس منظر میں پائی جانے والی فکر اور سوچ بھی عیاں ہوگی۔ ان پر مکمل نقد و جرح، تسامحات و تساہل یا مخصوص مقاصد کی نشان دہی اور تفصیلی احاطہ ایک طویل مقالے کا متقاضی ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔

تعریفِ حدیث۔ مسیحی اسکالرز کی نظر میں

برصغیر کے معروف مسیحی منّاد ایل بی جونز نے حدیث کی یہ تعریف کی ہے:

> ''حدیث کے لفظی معنیٰ ہیں بیان یا کلام کے۔ اصطلاح میں اس سے وہ قول یا فعل مراد ہے جو نبی کا یا اصحاب کا ہو اور کسی سنت کی تائید یا ثبوت میں پیش کیا جائے''[۳]

مسلم نظریۂ حدیث کی رو سے یہ تعریف ناقص ہے، کیونکہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے منسوب قول، فعل، اور تقریر بھی شامل ہے۔ نیز مذکورہ بالا تعریف میں حدیث کو سنت کے تائیدی ثبوت میں پیش کیا جانا بتلایا گیا ہے، جب کہ حدیث سنت کے مترادف ہے اور

یہ اپنی مستقل حیثیت میں ماخذ اسلام ہے، نہ کہ سنت کی تائیدی حیثیت کی حامل ثانوی چیز ہے۔

مدراس یونیورسٹی کے فیلو پادری ایڈورڈ سیل سنت کی یہ تعریف کرتے ہیں:

''سنت تین طرح کی ہے: ایک فعلی، دوسری قولی، تیسری تقریری۔ جو کام محمد صاحب نے خود کیے ہیں انھیں سنت فعلی کہتے ہیں اور جو آپ نے تو نہیں کیے ہیں مگر اوروں کو ان کے کرنے کا حکم دیا ہو انھیں سنت قولی کہتے اور جو کام آپ کے سامنے ہوئے اور آپ نے انھیں منع نہ کیا انھیں سنت تقریری کہتے ہیں'' ۴

اس تعریف میں سنت قولی کی وضاحت میں ایک تدلیسی تاثر ابھرتا ہے کہ آپ ﷺ نے خود تو وہ کام نہیں کیا، مگر دوسروں کو اس کی تلقین کرتے رہے، جب کہ آپؐ سنت قولی کے مطابق عمل کر کے اسے سنت فعلی کی شکل میں امت کے سامنے لاتے تھے، تاکہ ہر ایک کو عمل میں سہولت رہے۔

محدثین نے سنت کی یہ تعریف کی ہے:

السنن تنقسم ثلاثة اقسام قول من النبی صلی اللہ علیہ و سلم و فعل منہ علیہ السلام او شیء راہ و علمہ فاقرّ علیہ ۵	سنن (سنت) کی تین قسمیں ہیں نبی کریم کا قول اور آپ کا فعل یا آپ نے کسی چیز کو دیکھ کر اسے برقرار رکھا۔

مقامِ حدیث

پشاور میں اہم تبشیری خدمات انجام دینے والے 'ڈکشنری آف اسلام' کے مصنف Thomas Hughes Patrick کے بقول مسیحیت اور اسلام میں حدیث رسول ایک سا مقام نہیں رکھتیں بلکہ دونوں مذاہب میں حدیث کے الگ الگ مفہوم کی بنا پر مقام حدیث بھی مختلف ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"Muhammad traditions are therefore supposed to be the uninspired record of inspired sayings ,

and consequently occupy a totally different position to traditions in the Christianwhat we understand by Church ".(6)

ایڈورڈ سیل نے احادیث کا مقام اور مرتبہ یوں بیان کیا ہے:

''احادیث کا مرتبہ جو کچھ بھی ہو، لیکن مسلمانوں کے اعتقاد میں وہ سب الہامی ہیں اور نبی کا ہر فعل وقول ان کے نزدیک ایسا ہی لازم جانتے ہیں جیسے کہ مسیح کے نمونہ پر چلنے کو مسیحی'' ۷

نبی کے نمونہ پر چلنے کے اس ادّعا کا اظہار الگ چیز ہے اور مسیحی تاریخ کے حقائق کچھ اور ہیں۔ مسلمانوں کے ہاں نبی کا قول وفعل بھی اتنا ہی معتبر ہے جتنا کہ نبی کی ذات اور ان کا عقیدہ انہیں نبی کو اپنی جان سے عزیز تر رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کا عملی مظاہرہ تمام صحابہ کی زندگی سے عبارت ہے جنھوں نے اپنے نبی کے اس قول کو سچا ثابت کر دکھایا:

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین ۸

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ شاگرد تو اپنے نبی کے کانٹا چبھنے کی تکلیف پر اپنی جان قربان کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں انجیل مقدس میں مسیح سے آپ کے شاگردوں کی غداری ملاحظہ ہو:

''اس وقت ان بارہ (شاگردوں) میں سے ایک 'جس کا نام یہوداہ اسکریوتی تھا' نے سردار کاہنوں کے پاس جا کر کہا کہ اگر میں اسے تمہارے حوالہ کرادوں تو مجھے کیا دوگے۔ انہوں نے اسے تیس روپے تول کر دے دیے اور وہ اس وقت سے اسکے پکڑوانے کا موقع ڈھونڈنے لگا'' ۸الف

ضرورتِ حدیث

ارشادِ الٰہی 'لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ '' (النحل:۴۴) کے مطابق حدیث

تفسیرِ قرآن کی ایک بڑی ضرورت ہے۔ قرآن فہمی میں حدیث کی اہمیت کی اس مسلم سوچ کو مسیحی ادب میں یوں نمایاں کیا گیا ہے۔ ایل بی جونز کہتے ہیں:

''احادیث سے قرآن کی ایک بڑی ضرورت پوری ہوتی ہے کہ اس کی تفسیر کرنے میں بہتری اور دقتوں کے علاوہ جو متضاد آیتیں ہیں ان کو سلجھانے کی یہ کوشش کرتی ہیں''[۹]

برصغیر کے مسیحی لٹریچر میں نمایاں ترین کتاب 'ینابع الاسلام' کے مصنف ڈبلیو سینٹ کلیئر ٹزڈل لکھتے ہیں:

''حقیقت میں خاص الخاص فائدہ ان احادیث کا قرآن کے دقیق و مشکل مضامین کو حل کرنا ہوا''[۱۰]

برصغیر کے مسلم مسیحی مناظراتی لٹریچر میں خاص سرگرمی دکھانے والے مترجم قرآن ای ایم ویری رقم طراز ہیں:

''قرآن کے بعد احادیث کا مرتبہ ہے اور احادیث دراصل اس کا ضمیمہ ہیں۔ پس ان سے نہ صرف قرآن کے مطالب معلوم ہوتے ہیں، بلکہ بجائے خود ایسی اصل ہے جس سے استخراج مسائل کیا جاتا ہے''[۱۱]

اس کے برعکس ایڈورڈ سیل ایک جگہ لکھتے ہیں:

''مذکورہ بالا بحث سے دو باتیں ثابت ہیں: اول یہ قرآن ایک غیر مکمل کتاب ہے اور ضرور غیر قرآن کا محتاج ہے، دوم یہ کہ احادیث کا مجموعہ اس قابل نہیں کہ قرآن کے اس نقص کو رفع کرسکیں''[۱۲]

قرآن اور احادیث کے باہمی تعلق پر مسیحی اسکالرز متفق الخیال نظر نہیں آتے ہیں۔ حدیث کے بارے میں ان کے افکار میں الجھاؤ اور ٹکراؤ پایا جاتا ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا حوالہ جات سے ظاہر ہے۔

حجیتِ حدیث

مسیحی ادب کے ایک نامور ہندی اہل قلم پادری غلام مسیح نے مسلمانوں کے ہاں

شریعت کا اساسی مصدر ٹھہرائے جانے والی حدیث نبوی کو اضافی قرار دیا ہے اور اسے بالکل بے اعتبار ٹھہرایا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''اگر اسلام کی بنیاد قرآن عربی ہی رہتا تو خیر تھی، پر اہل قبلہ نے اسلام کی بنیاد میں حدیث شریف کو بھی بڑھایا ہے۔ اہل اسلام کی اس بنیاد کے خام ہونے کا ذکر کرنا ضروری نہیں''[١٣]

آگے مزید لکھتا ہے:

''اہل قبلہ کے اسلام میں حدیث نامی بنیاد قرآن کے مقابل ہزار درجہ خام ہے''[١٤]

برصغیر کے مسیحی ادب میں ایک اہم نام پادری صفدر علی کا ہے۔ وہ 'نیاز نامہ' میں احادیث کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''قرآن کے مقابلہ میں حدیث کا اعتبار نہیں''[١٥]

آگے وہ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں:

''بے شک قرآن خدائے عالم الغیب و غیر متغیر و صادق کا کلام ہے اور نہ حدیث اس کے الہام سے ہے''[١٦]

مسیحی اسکالرز کا حدیث کو خام اور نا قابلِ اعتبار قرار دینا یا وحی غیر متلو تسلیم نہ کرنا دراصل نبی ﷺ کی نبوت و رسالت کو تسلیم نہ کرنے کی بنیاد پر ہے۔ جب ان کے نزدیک آپ ؐ نبی ہی نہیں تو پھر آپ ؐ کی کوئی بات بھی قابل اعتبار نہیں، وحی قرار پا کر وحی غیر متلو کا درجہ پانا تو دور کی بات ہے۔

ابتدائے حدیث

ایک رائے یہ بھی سامنے لائی گئی کہ احادیث ایک خاص ضرورت اور ماحول کی پیداوار ہیں، جو نظریۂ ضرورت کے تحت دین کی اصل ٹھہرائی گئی ہیں۔ یہ احادیث ارتقائی مراحل کے بعد اپنی مستقل حیثیت اختیار کر گئیں۔ 'اہل مسجد' کا مصنف اس کی وجہ یہ بتاتا ہے:

''کیونکہ قرآن کافی نہیں ہے، تو اب دقّت یہ تھی کہ پھر اس کی کمی کیوں کر

پوری کی جائے۔اس مشکل کا حل جو کچھ انہوں نے کیا ہم اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔محمد صاحب کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد ایک غیر نوشتہ یعنی زبانی قانون جو سنت یا طریق نبوی کہلایا، قبول کیا گیا، جس کی رُو سے ''رسول اللہ کے عمدہ نمونے'' (سورۃ احزاب آیت ۲۶) کے ذریعے قرآن کی کمی پوری کی گئی۔ بہر حال یہ ماننے کی وجہ موجود ہے کہ محمد صاحب نے اپنی زندگی میں اپنے آپ کو غلطی سے منزّہ نہیں سمجھا ''[۱۷]

مصنف اپنی فکر کو مزید یوں واضح کرتا ہے:

''اس طرح ایک نئی تعلیم وجود میں آئی کہ جس کے مطابق محمد صاحب کے اقوال و افعال خدا کے وحی کے قابو میں تھے اس لیے وہ بھی واجب الاطاعت مانے گئے''[۱۸]

وہ مزید کہتا ہے:

''اسلام کے ان ابتدائی اور اشتعال انگیز ایام کے مطالبات نے صرف سینکڑوں ہی نہیں، بلکہ اس قسم کے ہزاروں اقوال و اعمال پیدا کر دیئے کہ جن کا اب تک پتہ بھی نہ تھا اور جن کا ہونا نبی کی طرف منسوب کر دیا گیا۔محمد صاحب کے متعلق ہر قسم کے بیانات خواہ سچ یا جھوٹ اس قدر رائج ہو گئے کہ ان کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی''[۱۹]

احادیث کا آغاز کن حالات میں ہوا، اس پر وہ یوں روشنی ڈالتا ہے:

''جس طریقہ سے احادیث کا آغاز ہوا ہم بآسانی اس کا خیال کر سکتے ہیں۔محمد صاحب کی موت کے بعد ان کے صحابہ کے خیال اور گفتگو جنگی معرکوں کے موقعوں پر فرصت کے لمحوں میں خود بخود اپنے بڑے سردار کے اقوال اور افعال کے ذکر کی طرف مائل ہوتے تھے کہ جس نے ان کے لیے ممکن کر دیا کہ وہ ایک فتح مند قوم بن جائیں اور جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا محمد صاحب کی کامیابی پر ان کی حیرت بڑھتی گئی، یہاں تک کہ وہ ان میں ایک فوق الفطرت طاقت کا ہونا خیال کرنے لگے۔ یہ خیال

قرینِ عقل معلوم پڑتا ہے کہ وہ تمام باتیں جو اس کثرت کے ساتھ احادیث میں جمع کی گئی ہیں ان کا آغاز اس قسم کے حالات سے ہوا ہوگا۔۲۰

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مکمل تعلیمات کی حامل کتاب ہے۔ خود آں حضرت ﷺ نے اپنی احادیث کو تکمیل قرآن کے بجائے تشریح وتوضیح قرآن قرار دیا ہے۔ باقی رہا مسیحی اسکالرز کا یہ کہنا کہ آپؐ اپنے آپ کو غلطی سے مبرّا نہیں سمجھتے تھے، یعنی جب آپؐ غلطی سے مبرا نہیں تو آپؐ کا کلام (حدیث) بھی غلطی سے مبرّا نہیں ہوسکتا، یہ بات بھی صحیح نہیں ہے۔ اصل میں بحیثیت انسان غلطی کا احتمال ہر انسان میں ہے، لیکن بحیثیت نبی آپؐ معصوم عن الخطا تھے۔ لہذا پیغمبرانہ حیثیت سے آپؐ کے فرمودات میں قطعاً کسی غلطی کا شائبہ تک نہیں ہے۔

ان اسکالرز کے نزدیک نبی کریمؐ کی محیر العقول کامیابیوں کے زبان زد عام ہونے کے رجحان نے انہیں احادیث جمع کرنے پر ابھارا۔ یہ بھی قطعاً بے سروپا بات ہے، کیونکہ یہ سب کچھ احادیث کی شکل میں نہیں، بلکہ تاریخ اسلام کی شکل میں جمع ہے۔

ماخذ حدیث

مسیحی لٹریچر میں ایک اہم بحث ماخذ حدیث کی ہے۔ خودساختہ معیارات اور غیر تحقیقی اصولوں کے ذریعے ناکافی یا اتفاقی مشابہت کی بناپر حدیث کا تعلق قدیم روایات واقوال کے ساتھ جوڑا جاتا ہے، پھر بزعم خویش ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ سابقہ اقوام میں مروج روایات و تعلیمات سے ماخوذ ہے۔ مسیحی اسکالرز کی طرف سے ماخذ حدیث کے اس دعویٰ کا جائزہ لینے سے قبل اس بات کا تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ خود عیسائیت میں جب اصلاح اور مذہب بےزار قسم کی تحریکیں اٹھ رہی تھیں تو انتقاد عالیہ (Hi Criticisum) کے حوالے سے مسلمہ مذہبی حقائق کو بھی اپنے عقلی معیار اور تاریخی اصولوں کے ذریعے پر کھنے کا رجحان بڑھا، جس کے نتیجہ میں محدود مشاہدے اور دست یاب ناکافی تاریخی مواد کی بناپر عیسائیت کی مذہبی اساسوں کا سرے سے انکار کرتے ہوئے اسے فرضی کہانیاں اور ذہنی اختراع تک قرار دے دیا گیا۔ اس کی مزید

وضاحت ذیل کے اقتباس سے ہوتی ہے۔

''۱۸۳۵میں جرمنی کے ایک مذہبی عالم ڈاکٹر اسٹرس (Stress) نے اپنی کتاب سیرۃ المسیح (Life of Jesus) میں ثابت کیا کہ اناجیل میں جو سوانح یسوع کے درج ہیں وہ تمام تر اصنام پرستوں کے مذہبی خرافات سے ماخوذ ہے۔رابرٹسن ممبر پریوی کونسل نے ثابت کیا کہ تاریخ میں یسوع ناصری کے نام کا کوئی شخص موجود ہی نہیں۔ان کا نظریہ یہ ہے کہ اسلاف یہود میں یسوع نامی ایک غیر معروف دیوتا تھا جس سے بعد کو پراسرار ولادت، احیاء ثانیہ وغیرہ کے بہت سے لایعنی قصے منسوب کر دیئے گئے۔

تولین (Tulane) یونیورسٹی کے پروفیسر ڈبلیو بی اسمتھ نے بھی اپنی کتاب (Eccedeus) میں مسیح کی تاریخی حیثیت سے انکار کیا ہے۔تقریباً یہی خیال جرمن پروفیسر ڈریوز (Drews) کا ہے اور فرانسیسی ڈاکٹر کوچو (Couchow) نے بھی اپنی کتاب معمائے مسیح (Enigma of Jesus) میں بھی ظاہر کیا ہے۔ انہی کے ہم خیال پراسپرالفارک (Prosper Alfaric) وٹو ریس ماشیورو (Vittoris Machioro) وغیرہ و دیگر علمائے مغرب بھی ہیں جو یسوع کی ہستی کو صرف ایک فرضی اور اضافی ہستی سمجھتے ہیں''[۲۱]

اس پس منظر میں جب کوئی پرجوش مسیحی اسکالر اپنے مذہب کی برتری میں قلم اٹھاتا ہے تو لازمی طور پر وہ دوسرے مذہب کی اساس کو بے اصل اور بے حقیقت ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔یہی چیز ہمیں یہاں برصغیر کے مسیحی لٹریچر میں نظر آتی ہے۔قرآن کے ساتھ حدیث کو بھی دوسری اقوام کی مذہبی تعلیمات اور رائج فرضی قصوں سے ماخوذ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ پادری ڈبلیو سینٹ کلیئر ٹزڈل نے خاص اس موضوع پر 'ینابیع الاسلام' قلم بند کی، جسے مسیحی ادب میں ایک خاصے کی تحقیق گردانا جاتا ہے۔اس میں وہ قرآن وحدیث کو (**نعوذ باللہ من ذلک**) رسول اللہ ﷺ کے ذہین دماغ کی اختراع گردانتا ہے جسے آپؐ نے اہل یہود، عیسائیوں، زرتشت اور ہندوؤں میں رائج تعلیمات و روایات سے ترتیب دیا تھا۔وہ لکھتا ہے:

''اگر تعلیمات واخبار مندرجہ قرآن وحدیث کو ان تعلیموں اور خبروں سے ملائیں جن کا اس وقت یہود کے درمیان چرچا ہو رہا تھا تو روز روشن کی طرح یہ بات کھل جاتی ہے کہ ان دونوں کے درمیان بہت ہی پکا اور یقینی رشتہ ہے اور ان کی آپس کی عجیب وغریب مشابہت ہر قسم کے شک کو مٹا دیتی ہے''۲۲

دوسرے ہی لمحے وہ قرآن واحادیث کو بدعتی عیسائیوں میں رائج موضوع کتب کی روایات سے مزین ٹھہراتا ہے:

''اور بہت سی باتیں ہیں جو قرآن وحدیث میں جہلاء عیسائیوں کی موضوعہ کتابوں اور اہل بدعت کی جھوٹی تصنیفات سے ماخوذ ہیں''۲۳

ایک جگہ اس نے زرتشت اور اہل ہنود میں مروجہ دیو مالائی قصے اور روایات کو بھی حدیث کا ماخذ قرار دیا ہے۔۲۴

مصنف کے نزدیک رسول اللہ ﷺ نے اپنی عقل وتدبر سے مختلف ذرائع سے حاصل کردہ مستعار افکار وتعلیمات کو حالات کے مطابق ڈھالتے ہوئے اپنے پیروکاروں کے لیے الہامی شریعت کے طور پر پیش کیا۔ لکھتا ہے:

''وہ مجموعۂ مطالب وتعلیمات جو قرآن وحدیث میں موجود ہے ایک دریا کی مانند ہے جس میں طرح طرح اور قسم قسم کا پانی ہر طرف جدا جدا سرچشموں سے جاری ہو کر آملا ہے، لیکن وہ ظرف جس میں ان پانیوں نے اس طرح کی صورت اختیار کر لی وہ عقل وتدبر اور نفس حضرت محمد ہے''۲۵

اسی کے ساتھ احادیث کے انجیل کا چربہ ہونے کا دعویٰ خاص طور پر دہرایا گیا۔ ان مسیحی مصنفین کے خیال میں رسول اللہ ﷺ نے تعلیماتِ انجیل کو احادیث کے ذریعے اپنے نام سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک آنحضرتؐ کے عیسائی علماء سے روابط تھے، جن سے آپؐ نے انجیل کی تعلیمات حاصل کیں۔ حقیقت میں یہ ایسا ہی بے سروپا الزام ہے جیسے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کشمیر تشریف لائے

ے [۲۵الف] اور انہوں نے بدھ مت کی اخلاقی تعلیمات کو انجیل میں پیش کیا ہے۔ [۲۵ب]

'عربستان میں مسیحیت' نامی کتاب کے مصنف اکبر مسیح نے کلام انجیل اور احادیث مبارکہ کا تقابل کر کے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کی سطحی طور پر سعی لاحاصل کی ہے [۲٦] ایک دوسرے مسیحی اسکالر ڈاکٹر ایس اے حسن نے 'ہماری حدیث' نامی کتابچہ میں بھی یہی اسلوب اپنایا ہے۔ [۲۷]

اصولِ حدیث

علم حدیث ایک ایسا فن ہے جس کی نظیر ہمیں عیسائی مذہب میں نہیں ملتی۔ محدثین نے احادیث کے مقام و مرتبہ اور شریعت میں احکام و مسائل کی بنیاد بننے کی بنا پر ان کے اخذ و قبول اور بیان و روایت میں انتہائی مثالی احتیاط سے کام لیا ہے۔ انھوں نے راویانِ حدیث کے ثقہ و غیر ثقہ ہونے کے معیار مقرر کرتے ہوئے اسماء الرجال کا ایسا عظیم الشان فن ایجاد کیا جس کے غیر بھی معترف ہیں۔ معروف اسکالر ڈاکٹر اسپرنگر نے لکھا ہے:

> ''نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری ہے نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے'' [۲۸]

اسی طرح مولانا چراغ علی مرحوم نے اپنی تصنیف 'اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام' بعض جرمن مستشرقین کو بھیجی تو ان میں سے کسی نے جواب میں لکھا:

> دنیا کی تاریخ میں سوائے مسلمانوں کے کوئی قوم ایسا دعویٰ نہیں کرسکتی کہ اس نے اپنے نبی کی تاریخ کو ایسا محفوظ کیا کہ اس کے لئے ایک لاکھ سے زائد لوگوں کے حالات قلم بند کر دیئے۔ مسلمانوں کا یہ کارنامہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے'' [۲۹]

اس کے باوجود اسی علم حدیث کو بعض مسیحی اسکالرز نے بے اعتبار اور ناکارہ قرار دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ پادری عماد الدین نے لکھا ہے:

''یہ فن (حدیث) ہی ناکارہ ہے۔ جن قواعد اصولیہ کی اپنے سے انہوں

نے بڑی محنت اور دیانت کے ساتھ تحقیق کی ہے وہ قواعد ایسے نہیں ہیں کہ آدمی کو غلطی سے بچاویں۔'' ۳۰

اور پادری اکبر مسیح لکھتا ہے:

''جو لوگ فن حدیث کے امام ہیں انہیں کے درمیان غضب کا اختلاف ہے۔ ایک دوسرے کو جھٹلا رہا ہے۔ علم رجال بس ایک بھول بھلیاں ہے۔ دارومدار حسن ظن پر ہے۔ ثقہ راوی کو مجروح کر دینا مجروح کو ثقہ بنا دینا بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔ تمام جھوٹی حدیثیں ثقہ اور پارسا لوگوں نے وضع کی ہوئی ہیں۔ پس جو شخص تحقیق سے اس بحث میں کام لے گا اس کو ماننا پڑے گا کہ ایمانی امور میں احادیث سے بڑھ کر کوئی شے بے اعتبار نہیں۔'' ۳۱

'اہل مسجد' کا مصنف یہ نتیجہ تحقیق پیش کرتا ہے:

''ان حقیقتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اسناد جو صحیح مانے جاتے ہیں فی نفسہ بہت کم مفید ہیں۔ علاوہ ازیں اسلام کے ابتدائی راویوں کو ہم یقینی طور پر معتبر نہیں جان سکتے۔'' ۳۲

پادری ایڈورڈ سیل کو مسلم اصول تحقیق میں اگر کوئی خوبی نظر آتی ہے تو وہ صرف 'اچھا حافظہ' ہے:

''مسلمانوں کی الٰہیات میں نکتہ چینی کی تحقیق کوئی کمال نہیں، بلکہ بڑا کمال اچھا حافظہ ہے'' ۳۳

'اہل مسجد' کا مصنف محدثین کے اعلیٰ درجہ کے روایتی ودرایتی معیار واصول کو اس وجہ سے بھی قابل اعتراض قرار دیتا ہے کہ:

''ایسی احادیث کہ جن میں عمدہ اور دینی اقوال محمد صاحب کی نسبت منسوب کیے گئے ہیں ان پر بھی اسی قسم کے اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ مرحوم گولڈزیہر جو ایک مشہور فاضل ہو گزرے ہیں ان کا بیان ہے کہ

ابتدا میں محمد صاحب کی زندگی کا ایسا خاکہ کھینچنے کی طبیعت لوگوں میں پائی جاتی تھی جو مسیح کی شان سے کہ جس کا خاکہ کلیسا نے کھینچا ہے، کسی طرح کم نہ ہو۔ہاں یہ ممکن ہے کہ اس قسم کی طبیعت ان میں نادانستہ کام کر رہی ہو، اس لیے محمد صاحب کی صرف زندگی ہی نہیں، بلکہ ان کے اقوال بھی اس معیار کے مطابق بنائے گئے ہونگے"۔۳۴

یہ صورت حال اس وقت دلچسپ ہو جاتی ہے جب ہم کچھ دوسرے مسیحی اسکالرز کو انہی محدثین کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے ان کی تعریف میں رطب اللسان پاتے ہیں۔سر ولیم میور نے لکھا ہے:

"اس میں شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ محدثین اپنے کام میں راست باز اور دیانت دار نہ تھے۔یہ بھی اچھی طرح قبول کیا جائے کہ جو روایتیں اس وقت رائج تھیں انہوں نے نیک نیتی سے انہیں تلاش کیا۔جن اسناد پر وہ قائم تھیں انہیں بڑی احتیاط سے تحقیق کی اور نہایت احتیاط وصحت سے انہیں قلم بند کیا ان کے جمع کرنے والوں کے حسن ظن نے تو بے شک کسی روایت کے سلسلۂ اسناد کے قبول یا رد کرنے میں اثر کیا ہوگا، مگر ایسے گمان کی کوئی وجہ نہیں کہ انہوں نے خود روایتوں میں کسی طرح دست اندازی کی ہو"۳۵

پادری عماد الدین اس حوالے سے کہتے ہیں:

"میں انہیں (محدثین کو) ان کے کام میں ہرگز بے دیانت نہیں کہتا اور چور یا جعل ساز بھی نہیں بتاتا"(۳۶)

مزید براں برکت اللہ پادری صاحب کی شہادت بھی ملاحظہ ہو:

"اہل اسلام نے نہایت احتیاط کے ساتھ احادیث کی تنقید کی ہے۔اصول تنقید، علم جرح (راوی کو بے اعتبار ثابت کرنا) اور تعدیل (اس کو قابل اعتبار ثابت کرنا) علم اسم الرجال وغیرہ کو ترتیب دے کر نہایت

جاں فشانی کے ساتھ محنت شاقہ کر کے جھوٹی اور سچی روایات اور احادیث میں تمیز کرنے کی کوشش کی ہے''۔ ۳۷

علم حدیث کو دانستہ ناکارہ قرار دینا بہت بڑی خیانت، جب کہ نادانستہ ناکارہ قرار دینا بہت بڑی علمی حماقت ہے۔ یہ علم حدیث انتہائی باریک بینی اور دقت نظر سے ترتیب دیا گیا ہے، جس میں ایک ایک راوی اور حدیث کے ایک ایک لفظ کی پرکھ کے لیے بے شمار برانچیں اور اصطلاحات موجود ہیں۔ احادیث کے الفاظ کو صرف عقلی و درایتی معیاروں پر ہی نہیں پرکھا گیا، بلکہ ساتھ ہی سلسلۂ سند کو بھی بڑی غیر جانب داری سے زیر بحث لایا گیا، جن سے احادیث کی پرکھ میں مزید نکھار آیا، لیکن ایسے علوم سے تہی دامن مسیحی اسکالرز کی طرف سے انہیں غیر مفید کہنا ان کی بے بسی اور فکری بانجھ پن کا اظہار ہے۔ باقی رہا محدثین کا رسول اللہ ﷺ کو مسیح کلیسا کے برابر کھڑا کرنے کا افسانہ تو ایسی ذہنیت ہی مسلمانوں کی فکر کے شایان شان نہیں، کجا ایسی کوشش، جو بعید از قیاس ہے۔

تدوینِ حدیث

مسیحی مصنفین کے ہاں اصولِ حدیث کے علاوہ جس بنا پر احادیث کو غیر مستند ٹھہرایا جاتا ہے وہ ہے ان کے نزدیک آں حضرت ﷺ کی رحلت کے بعد حافظہ کے بل بوتے پر دو ڈھائی سو سال بعد احادیث کا منضبط کیا جانا۔ کتابتِ حدیث اور تدوینِ حدیث میں فرق روا نہ رکھنے کی وجہ سے مستشرقین اور مشرقی مسیحی مصنفین نے زبردست علمی خیانت کرتے ہوئے یہ تدلیسی و تخریبی حربہ اختیار کیا ہے۔ پھر بعد میں سب سے زیادہ اسی سُر کو برصغیر کے نادان منکرین حدیث اپنی اپنی لے میں الاپنے لگے۔

ای ایم ویری کی تحقیق ملاحظہ ہو:

''یہ تمام بیانات (احادیث) محمد صاحب کی وفات سے دو تین سو سال بعد تحریر ہوئے''

۳۸

پادری سی جی فانڈر جن کے تذکرہ کے بغیر برصغیر کی تاریخ مسیحیت ادھوری ہے، فرماتے ہیں:

''احادیث کی تالیف حضرت محمد سے اس قدر بعد میں ہوئی اور ان کے بیانات ایسے عجیب ہیں کہ کوئی عالم آں حضرت کے معجزات کے بارے میں ان پر بالکل اعتماد نہیں کرسکتا'' ۳۹ ؎

جب کہ 'اہل مسجد' کا مصنف یوں گویا ہے:

''احادیث کا یہ بڑا ذخیرہ کہ جو شریعت کا ایک خاص جزو بن گیا تھا، عرصۂ دراز تک صرف لوگوں کے حافظہ پر منحصر تھا، ان کو کتابت میں لاکر محفوظ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ یہ حفظ کر کے یاد کر لی جاتی تھیں اور پھر زبانی ایک دوسرے تک پہنچائی جاتی تھیں'' ۴۰ ؎

پادری صفدر علی نے لکھا ہے:

''اول تو احادیث کا اعتبار بہت دشوار ہے۔ دو ڈیڑھ سو سال برس کے پیچھے لوگوں نے سنی سنائی باتیں سو میں سے پانچ اپنی دانست میں معتبر جان کر لکھی ہیں اور کچھ یقینی بات نہیں کہ جو ان لوگوں نے صحیح سمجھا وہی معتبر ہو'' ۴۱ ؎

اور پادری عماد الدین فرماتے ہیں:

''احادیث جو سو دو سو برس بعد آں حضرت کی لکھی گئی ہیں اور راوی اول ان کے آں حضرت ہی کے ازواج و دیگر اقربا وغیرہ ہیں'' ۴۲ ؎

تاریخی حقائق اس دجل وفریب پر سراپا احتجاج ہیں۔ احادیث کا حیات رسول ﷺ ہی میں قلم بند ہونا ایک تاریخی حقیقت ہے، جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے اپنے مقالہ میں ان باون صحابۂ کرام کے نام گنوائے ہیں جو احادیث نبوی کو آپ ﷺ کے عہد مبارک میں ضبط تحریر میں لاکر محفوظ کر گئے۔ ۴۳ ؎

فکر انکارِ حدیث سے رجوع کرنے والے ڈاکٹر غلام جیلانی اپنی تصنیف 'تاریخ حدیث' میں 'تفہیم اسلام' کے مصنف کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''حضور پر نور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات مبارکہ ہی میں تقریباً ۴۰ ہزار احادیث

ضبط (تحریر) ہو چکی تھیں،"۴۴

اس کے برعکس عہد نامہ جدید کی ایک اہم مسیحی تعلیم "جس پیمانہ سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے واسطے ناپا جائے گا"۴۵ کے مطابق اگر تدوین حدیث پر ان اعتراضات کو معیار بنا کر صحتِ انجیل کو پرکھا جائے تو یقیناً یہ بات حق بہ جانب ہے کہ:

> "جس طرح اہل اسلام، حدیثِ رسولِ خدا کی سند سلسلہ وار بشہادت ثقات آں حضرت تک پہونچاتے ہیں، جو کہ ثبوت سمعیات کے لیے ایک یقینی اور متفق علیہ قاعدہ ہے، عیسائیوں کے پاس کوئی سند متصل ان اناجیل کو ان کے مصنفین تک پہنچانے کے لیے نہیں، صرف گمان اور اٹکل ہی سے کہتے ہیں کہ ان کی تصنیف ہیں جن کے نام ہر انجیل کے سرے پر لکھے ہیں"۴۶

اور یہ کہنا بھی صحیح ہوگا:

> "الغرض جب کہ دو سو برس تک حواریوں اور ان کے شاگردوں اور دین داروں و عالموں کی گواہیاں برابر نہیں پائی جاتیں، جن سے ثابت ہو کہ اناجیل مروجہ فلاں فلاں اشخاص نے لکھیں اور اپنے اپنے فلاں فلاں رفیق و شاگردوں کے حوالہ کیں اور ان کے ذریعہ سے دست بدست رائج ہوتی چلی آئیں، بلکہ جو بزرگ اس دو سو برس کے عرصہ میں گذرے ہیں، مثلاً برنباس اور کلیمنز رومی اور اگناشس اور پولیکارپ وغیرہ، ان کے کلام میں ان اناجیل کی کوئی سند نہیں پائی جاتی تو پھر اس کے بعد کی شہرت اور مقبولیت فقدانِ اسناد کے نقصان کو پورا نہیں کر سکتی"۴۷

مولانا امین احسن اصلاحی "مبادیٔ تدبرِ حدیث" میں رقم طراز ہیں:

"اس فن (علم حدیث) میں اگر کوئی قوم مسلمانوں کی حریف ہو سکتی تھی تو وہ اہل کتاب ہو سکتے تھے، لیکن ان کا حال یہ ہے کہ اس طرح کا انتظام اپنے نبیوں کے اقوال کے لیے تو درکنار، انہوں نے اپنے آسمانی صحیفوں

تک کے لیے نہیں کیا۔ وہ اس میدان میں نہایت ہیچ نکلے، انکی مذہبی کتابوں کی تو وہ حیثیت بھی نہیں ہے جو ہمارے ہاں ہماری تاریخ کی کتابوں کی ہے۔ ہمارے ہاں تاریخ کی بھی روایت ملے گی تو اس کی سند موجود ہوگی اور اس کے لیے کوئی معیار بہرحال مطلوب ہوگا۔ لیکن ان کے ہاں ان کی سب سے بڑی کتاب 'کتاب مقدس' کے لیے بھی یہ اہتمام نہیں ملتا۔ اس طرح انجیلیں حضرت مسیح کے بعض حواریوں جیسے لوقا، یوحنا، مرقس وغیرہ سے منسوب تو ہیں، لیکن ان کے ان اولین راویوں تک کے اپنے حالات کسی کو معلوم نہیں، انجیلیوں کی روایت حواریوں سے کس کس نے کی اس کا تو سرے سے تذکرہ ہی نہیں ملتا۔ جن قوموں نے اپنے آسمانی صحیفوں کی حفاظت میں کم زوری دکھائی وہ اپنے رسولوں کے اقوال کی حفاظت کا بھلا کیا اہتمام کرتیں"[۴۸]

وہ ہستی کہ تاریخ نے جس کے قول و فعل کو محفوظ کر کے یوں پیش کیا ہے کہ **لیلھا کنھارھا** کے مصداق آپ ﷺ کی ذات کا کوئی گوشہ ہم سے اوجھل نہیں، اس ہستی سے منسوب ادب حدیث میں دانستہ تشکیک و تذبذب پیدا کرنے کا محرک شاید وہ احساس ہو جو ایک مسیحی قلم کار حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے بارے ناکافی معلومات کی بنا کر رکھتا ہے۔ حیات مسیح پر ناکافی معلومات کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا یوں ریمارکس دیتا ہے:

"صاف (درست) بات یہ ہے کہ حیات مسیح پر لکھنے کی کوشش ترک کر دی جائے۔ اس کے لیے مواد یقیناً موجود نہیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ان کی زندگی کے ان دنوں کی تعداد ۵۰ سے زیادہ نہیں جس کے متعلق ہمارے پاس ریکارڈ موجود ہے"[۴۹]

کتبِ حدیث

جمہور محدثین کے نزدیک ادبیات حدیث میں '**الجامع الصحیح للبخاری**' مرتبہ میں سب سے فائق ہے۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے:

'' اصح الکتب بعد کتاب اللہ الباری الجامع الصیحح للبخاری '' ۵۰؎

سطور ذیل میں صرف اسی کتاب حدیث کے بارے میں کچھ مسیحی آراء پیش کی جارہی ہیں۔اس کا مقام ومرتبہ ایک مسیح قلم کار یہ بیان کرتا ہے:

'' کتب احادیث،خواہ وہ بخاری کی اصح الکتب ہی کیوں نہ ہو،بمصداق

اوخود گمراہ است کہ رہبری کند ؎

اس قابل نہیں کہ ان پر ایمانیات کے بارے کلی اعتماد کیا جاسکے'' ۵۱؎

طُرق اور روایت میں فرق نہ کرتے ہوئے پادری سی جی فانڈر کہتے ہیں:

'' غالباً سب سے معتبر اور قابل اعتبار صحیح بخاری کی احادیث ہیں،پھر ان کے بعد مسلم اور ترمذی کی۔لیکن معزز ناظرین کو یہ دکھانے کی غرض سے کہ بخاری کے ایام میں کس قدر کثیر التعداد غیر معتبر احادیث رائج تھیں،اور ان ایام میں کس سریع الاعتقادی اور لغویات کا رواج تھا............ بخاری بیان کرتا ہے کہ اس نے ایک لاکھ احادیث جمع کیں جس کا صحیح ہونا اس نے ممکن سمجھا اور دو لاکھ غیر احادیث جمع کیں،ان تین لاکھ کے مجموعہ میں سے آخرکار اس نے فقط ۷۲۷۵ کو معتبر سمجھا اور جب مکرر بیانات کو خارج کردیا تو ۴۰۰۰ رہ گئیں،یہ بھی سب کی سب معتبر اور قابل اعتماد نہیں ہیں'' ۵۲؎

جبکہ دوسرے مسیحی اسکالر کی رائے میں صحیح احادیث کو جمع کرنے کی ابتدا امام بخاری نے کی:

'' یہ پہلا شخص ہے جس نے حدیثوں کو پہلے جمع کرنا شروع کیا صحیح میں'' ۵۳؎

امام بخاری کے تحقیقی اصول اور احتیاط پسندی کو غیر معیاری قرار دیتے ہوئے ایل بی جونز لکھتے ہیں:

'' یہ صاف ظاہر ہے کہ بخاری اور دیگر محدثین کا کام محض احادیث کا جمع کرنا نہیں تھا،بلکہ انکی کوشش یہ تھی کہ جو حدیثیں اب تک جمع ہو چکی ہیں کسی معیار سے ان کی جانچ کی جائے۔تاہم جب انکے معیار کے متعلق

دریافت کرتے ہیں تو یہ صفائی سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان کی کوششیں نہ صرف ناکافی، بلکہ بے سود ہیں۔ اول تو اس لیے کہ کسی حدیث کے متن کی جانچ میں انھوں نے تنقید معنوی سے کام نہیں لیا۔ اگر ان کو اسناد کی صحت کا اطمینان ہو جاتا تو پھر وہ باقی اور باتوں کو نہیں دیکھتے تھے۔ یہاں تک کہ پھر اگر حدیث کا بیان بعید العقل یا ناممکن الوقوع یا محال ہوتا تو بھی اس کی صحت پر شک نہ کرتے تھے۔ صحیح معنوں میں ان کا طریقِ تنقید بالکل صوری یا خارجی تھا۔ انھوں نے صرف اسناد ہی کی اصلیت کے پرکھنے پر اکتفا کیا، لیکن یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اسناد کی جانچ بھی پورے طور پر نہیں کی''۵۴؎

رواۃ کی جانچ پڑتال کے حوالے سے یہی مصنف امام بخاری پر یہ اعتراض کرتا ہے:

''اسلام کے ابتدائی ایام کے عجیب اشخاص یعنی صحابۂ کرام اور تابعین کی زندگی کی نکتہ چینی کرنا انہیں (امام بخاری کو) سخت ناگوار تھی۔ ان کی پاسداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ اور تابعین کل عملی مقاصد کے لیے نکتہ چینی سے مستثنیٰ رہے''۵۵؎

حالانکہ مصنف مذکور خود ہی صحابہ کا حدیث کے بارے میں یہ رویہ بھی بیان کرتا ہے:

''احادیث کے رواج دینے میں محمد صاحب کے صحابہ نے بڑی احتیاط کی ضرورت محسوس کی تھی''۵۶؎

کاش یہ مسیحی اسکالرز ائمہ حدیث کی اپنی کتابوں کے لیے قائم کردہ شرائط پر نظر رکھتے تو یہ بے پر کی نہ اڑاتے کہ یہ کتب حدیث ناقابلِ اعتبار اصولوں پر ترتیب دی گئی ہیں، جب کہ ہر روایت کو محدثین نے اصولِ حدیث کی کسوٹی پر پرکھ کر قبول کیا ہے۔

مسیحی مصنفین اور منکرینِ حدیث اکثر یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ امام بخاری کو لاکھوں حدیثوں میں سے بہت تھوڑی سی صحیح احادیث ملیں جو انھوں نے اپنی کتاب میں درج کی ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے ایک ہی حدیث کے بہت

سے طرق واسناد کو الگ الگ حدیثیں شمار کی ہیں، حالانکہ کثرت طرق سے حدیث کی تعداد نہیں، بلکہ صرف اسانید بڑھتی ہیں اور امام بخاری نے لاکھوں اسنادمیں سے یہ روایات منتخب کی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ امام بخاری کی یہ کاوش، تمام صحیح احادیث کو ایک ہی مجموعہ میں اکٹھا کرنا نہیں تھی، بلکہ محدثین کی اصطلاح 'الجامع' کے حوالے سے کتاب تیار کرنا تھی۔ اسی لیے انھوں نے جامع سے غیر متعلقہ احادیث اس میں درج نہیں کی ہیں۔ احادیث چھوڑنے کی ایک وجہ طوالتِ کتاب کا خوف تھا، اس بنا پر بہت سی معتبر و ثقہ روایات کے ترک کرنے کا ذکر خود امام بخاری کے حوالے سے مختلف کتابوں میں پایا جاتا ہے۔[۵۷]

مسیحی لٹریچر میں نقلِ حدیث

برصغیر کے مسیحی لٹریچر میں تعارف اسلام، نقد و جرح، تبصرہ اور دلیل دعوی کے تحت احادیث نبوی بکثرت پائی جاتی ہیں، کیوں کہ قرآن کے بعد اسلام کی دوسری اصل سنت وحدیث ہی ہے۔ مسیحی لٹریچر میں نقل حدیث کے بارے میں عام رویہ اپنے دعویٰ کی تائید و دلیل میں احادیثِ رسول ﷺ سے استناد واستشہاد کرنا ہے۔ برصغیر کے مسیحی ادب کا کوئی دور اس روش سے خالی نہیں۔ پادری سی جی فانڈر اور پادری عمادالدین سے لے کر عہد حاضر تک کے ان مسیحی مصنفین کے ہاں ہمیں یہ اسلوب نظر آتا ہے۔ اس میں اسلام اور تعلیماتِ اسلام پر نقد و جرح کرتے ہوئے تشکیک و تذبذب پیدا کرنے کا عنصر خاص طور پر مدِّ نظر رکھا گیا ہے، تاکہ صیانتِ اسلام کے حوالے سے لوگوں کے اذہان پراگندگی کا شکار ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث مبارکہ کو ہدف بنا کر بنائے اسلام منہدم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کوشش میں حالات و واقعات اور سیاق وسباق سے تحریف کرتے ہوئے مختلف پیرائے میں احادیث پیش کی گئی ہیں۔ نقل حدیث کا یہ انداز اسلامی ادب میں حدیثِ نبوی کے تذکرہ سے میل نہیں کھاتا۔ اس بحث کو سمیٹتے ہوئے بنظر غائر جائزہ لیں تو نقلِ حدیث کے بارے ان مسیحی مصنفین کے رویہ کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

- قرآن مجید پر مختلف پہلوؤں سے نقد کرتے ہوئے، خصوصا غیر ثقہ، شاذ اور

اسرائیلی تفسیری روایات کا بیان کرنا۔

- تفسیر میں مسلمہ اور مقبول آراء کے بجائے اپنی تائید میں کم تر درجے کی روایات سے استشہاد کرنا۔
- اختلاف قرآت میں شاذ یا مردود قرآت کی روایت سے استدلال کرنا۔
- جمع و تدوین قرآن میں بظاہر متعارض اور غیر ثقہ روایات پیش کرنا۔
- معجزات کے بارے احادیث کو عقلی معیار پر پرکھ کر نقد کرنا۔
- رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کی من گھرٹ تاریخی روایات کو احادیث کی شکل میں پیش کر کے ایسی تصویر کشی کرنا جس سے آپؐ کی ذات مبارکہ کا منفی تاثر ابھرتا ہو۔
- تاریخی روایات کو جو کہ محدثین کے معیار سے کم تر ہوں، حدیث کی حیثیت سے پیش کرنا۔
- تعلیماتِ اسلام پر تبصرہ و تنقید کے لیے احادیث پیش کرنا۔
- بسا اوقات عوام میں مشہور باتوں کو حدیث کے نام سے پیش کرنا۔

خدماتِ حدیث

برصغیر میں مسیحی اسکالرز کی طرف سے حدیث کے بارے میں انتقادی رویہ کے ساتھ چند مفید کاوشیں بھی نظر آتی ہیں، جنہیں ہم ان کی خدمات حدیث کہہ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر معروف جرمن اسکالر ڈاکٹر اسپرنگر، جو کہ کلکتہ میں کام کرتے رہے، انہوں نے امام ابن حجر کی معروف تصنیف 'الاصابہ فی تمییز الصحابہ' ایڈٹ کر کے رائل ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ کی جانب سے شائع کروائی۔ ۱۸۰۹ء میں کیپٹن اے میتھوس نے کلکتہ سے 'مشکوۃ المصابیح' کا انگریزی ترجمہ شائع کیا۔ اسی طرح وان کریمر نے کلکتہ سے ہی محمد بن عمر واقدی کی 'المغازی' طبع کروائی۔

ثمراتِ حدیث

انسانی تمدن کے ارتقا میں مسلم تہذیب کا کردار ایک قابل فخر درخشاں باب ہے۔

دنیا کی معنوی و مادی ترقی میں اسلام کے کردار کا ایک مسیحی اسکالر اپنے مخصوص رنگ میں یوں اعتراف کرتا ہے:

''تواریخ سے (یہ بات) صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اگرچہ اسلام نے جس قوم کو فتح کیا اسے پوری بربادی اور تباہی کا موردالزام بتایا تو بھی دنیا کی روحانی اور ذہنی ترقی کے لیے اسلام خدا کے ہاتھ میں ایک بڑا وسیلہ بنا'' [۵۸]

لیکن یہی قلم کار اسی کتاب میں اسلام کے اساسی ماخذ حدیث کو مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹ گردانتا ہے:

''دنیا میں ایسی کوئی قوم نہیں جو اس قدر حدیث کی محکوم اور پابند ہو۔ جب تک (اس) وہم کی قید ٹوٹ نہ جاوے، ہرگز ترقی اور روشن ضمیری کی امید نہیں ہوسکتی'' [۵۹]

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے دور عروج میں ان کا حدیث پر ایمان انتہائی مستحکم اور متصلبانہ تھا۔ اس بارے وہ کسی بھی شک وشبہ کا ذرہ برابر بھی شکار نہ تھے۔ حدیث پر ایمان اور اس کے مطابق عملی زندگی ان کی ترقی میں قطعا رکاوٹ نہیں بنی، بلکہ یہی احادیث نبوی انہیں ترقی کی راہ پر گامزن رکھنے میں مہمیز ثابت ہوئیں۔

مذکورہ بالا مصنف کی طرح ایک دوسرا مسیحی سکالر زای ایم ویری کہتا ہے:

''جب تک اسلامی علماء احادیث وروایات اور اجماع کے بس میں ہیں تب تک اسلامی ممالک میں عقل وضمیر بیکاری اور غلامی کی حالت میں ہیں اور رہیں گے'' [۶۰]

اسی طرح ایک اور رائے ملاحظہ ہو:

''پس سنیوں کی طرح وہابیوں کے نزدیک بھی محمد صاحب کے کل افعال اور اقوال پختہ ہدایت ہے۔ پس وہابیوں کے مذہب سے ترقی کی امید اس لیے کہ ان کا رجوع اسلام کے اصلی عقائد کی طرف سے نہایت بعید

ہے، کیونکہ یہ فرقہ اسلام کی پرانی بیڑیوں کو اور بھی مستحکم کرتا ہے۔اس (فرقہ) سے کوئی نئی بات نہیں نکلتی ہے، نہ ایسے مذہب سے آزاد ہونے کی اس میں کچھ تدبیر ہے جو قرآن اور احادیث کو تہذیب اور اخلاق اور حسن معاشرت اور دین داری کے پختہ اور مکمل شریعت بناتا ہے‘‘ ۱۶

حالانکہ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ مسلم تہذیب نے تمام تر اساس قرآن سے اور جلاء حدیث نبوی سے ہی پائی ہے۔انسانی زندگی کے تہذیبی ارتقا کے سفر میں احادیث کے ذریعے جو ماڈل مسلمانوں کو میسر آیا وہ کسی دوسری قوم کو نصیب نہیں ہوا۔

برصغیر میں مسیحی لٹریچر کے اثرات

گزشتہ صفحات میں پیش کئے جانے والے نظریۂ حدیث پر مبنی مسیحی لٹریچر نے برصغیر میں وسیع پیمانے پر رنگ دکھایا، جس سے بعض لوگ معمولی حد تک متاثر ہوئے اور احادیث نبوی کے بارے میں کہیں کہیں شک وشبہ کی بات کرنے لگے، پھر اس سے بڑھ کر یہاں متاثرین کا ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا جسے منکرین حدیث کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ میدان جنگ میں مغلوب قوم ذہنی شکست خوردگی کا شکار ہو جاتی ہے اور غالب قوم کی طرف سے ہر نظریاتی یلغار کو عین عقل سمجھ کر قبول کرتی دکھائی دیتی ہے۔ برصغیر میں مسلم حکمرانی کی آٹھ سو سالہ تاریخ میں ہمیں انکار حدیث کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ یہاں انکار حدیث کی فکر انگریز اقتدار کے بعد ہی سامنے آئی جو اس دعویٰ کا بین ثبوت ہے کہ اس تخم ریزی کا یہی دور ہے۔انگریز برصغیر میں اپنے تسلط کے ساتھ ساتھ دو اور چیزوں کے بھی خواہاں تھے:

۱ - فرنگی تہذیب وتمدن کا فروغ

۲ - مذہب عیسائیت کا پرچار

برصغیر میں انگریزی تسلط کے ساتھ ہی عیسائیت کے پرچار کے لیے مسیحی مشنریوں کی ایک ٹڈی دل فوج کمر بستہ ہو کر میدان میں اتری۔اپنے مقابل مذاہب میں یہاں ان کے حقیقی حریف مسلمان ہی تھے۔ چنانچہ انہوں نے اسلام کے بنیادی عقائد ونظریات

کے بارے مختلف شکوک وشبہات اور بے بنیاد اعتراضات بڑی شدومد سے پیش کرنا شروع کیے۔اس سلسلہ میں حدیث نبوی کے حوالے سے ان کے ہاتھ میں سب سے اہم ہتھیار مستشرقین کے مسموم افکارو نظریات تھے۔اس یلغار میں ایک گروہ تو اپنے ایمان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھا اور اصطباغی رنگ میں نہا گیا، جب کہ اسلام کے نادان خیرخواہوں کا ایک دوسرا گروہ اسلام کا دفاع کرتے ہوئے اپنی ناپختہ سوچ اور پست ہمتی کی بنا پر ان سے متاثر ہوا اور دفاع کے بجائے معذرت کی راہ پر چل نکلا۔ بقول مولانا تقی عثمانی:

''اس دور کے وہ علماء جنہوں نے اپنے علم کا زیادہ معیار مطالعہ پر رکھ کر براہ راست مستشرقین کو پڑھا ہے ان کی تحریروں میں (شعوری یا لاشعوری) ایک مرعوبیت کا احساس پایا جاتا ہے۔جس کو ان جگہوں پر بآسانی پڑھا جاسکتا ہے جہاں انہوں نے اسلام پر کسی مغربی اعتراض کا جواب دیا ہے..... لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ اعتراض کرنے والے کے ہاتھ میں تلوار بھی ہو اور منہ میں تیز زبان بھی اور جواب دینے والے کا ذہن ان دونوں سے مرعوب بھی ہو تو قدرتی طور پر جواب جواب نہیں رہتا، ایک معذرت بن جاتا ہے۔''[۶۲]

ان اعتراضات سے انہیں اپنے عقائد ونظریات کی عمارت متزلزل نظر آنے لگی تو معذرت سے آگے معاملہ پسپائی کی شکل اختیار کر گیا۔حدیث نبوی کا انکار بھی اسی پسپائی کا شاخسانہ ہے۔ ایک دوسری رائے کے مطابق یہ پسپائی ذہنی کم ہمتی کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ ایک گہری سازش کا نتیجہ تھی:

''انگریزوں نے مسلمانوں کو دینی اعتبار سے کمزور کرنے کے لیے مختلف سازشیں شروع کردیں، مثلاً مسلمانوں میں فرقہ بندی کو ہوا دینے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں ہی میں ایسے رجال تیار کئے گئے جنہوں نے مختلف دینی احکام سے انحراف کر کے دین میں نئے نئے فتنے پیدا کیے۔ان فتنوں میں انکارِ ختم نبوت اور انکار حدیث کے فتنے نہایت نقصان دہ

اور خطرناک ثابت ہوئے''۶۳

اس دعویٰ کی تائید ہمیں برصغیر میں منکرینِ حدیث کے گلِ سرسبد عبداللہ چکڑالوی پر انگریزوں سے امداد لینے کے اس الزام سے ہوتی ہے:

''انگریزی سیاست دانوں نے عیسائی پادریوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے چند مسلمان علماء کو پھانسا..... اب انہوں نے خود حدیث کو غیر معتبر ٹھہرانے کے لیے چند مسلمان منافقین کو خرید لیا۔ ان کے سرخیل عبداللہ چکڑالوی تھے۔ان کو عیسائیوں نے اس خدمت کے لیے چنا اور انہوں نے اعلانیہ حدیث کے خلاف پراپیگنڈہ شروع کیا۔ انگریز پادریوں نے اس کو چٹھیاں لکھیں، مالی مدد کے وعدے کیے اور ان سے کہا کہ آپ ایک نہایت اچھا کام کر رہے ہیں''۶۴

بہرحال برصغیر کے اس مسیحی دور کا ایک بڑا اثر فتنۂ انکارِ حدیث کی شکل میں نمودار ہوا اور مستشرقین کی بولی اپنی اپنی زبان میں پیش کی جانے لگی۔شاہد عدل کے طور پر ایک مبنی بر حقیقت تبصرہ پیش خدمت ہے:

''ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجارتی تسلط نے جب حکومتی رنگ اختیار کیا تو مسلمانان برصغیر نے جنگ آزادی کے میدان میں آخری مذبوحی حرکات کا مظاہرہ کیا،لیکن ناکام رہے۔میدانِ جنگ کی شکست نے ذہنی مرعوبیت کی راہ دکھلائی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مستشرقین نے اپنے خاص مقاصد کی خاطر جو علمی تحاریک شروع کی تھیں، ان کے پس منظر، پیش منظر کا تنقیدی جائزہ لیے بغیر بعض افراد (منکرینِ حدیث) نے انہیں قبول کر لیا اور پھر ان کے اُگلے ہوئے نوالے نئی فکر، نئی تحقیق، نئی علمی کاوش اور قومی خدمت کے نام سے پیش کرنے شروع کر دیے۔انہی میں سے شاخت اور گولڈزیہر وغیرہ کے یہ فکری شاخسانے تھے جن کو ایسے ذہنی مریضوں نے اپنی فکری پرواز اور علمی اڑان کے لیے سہارا

بنالیا۔ حالاں کہ یہ ذہنی مرعوبیت کے شاہکار ہونے کے علاوہ کوئی نئی علمی فکری کاوش نہ تھی"۔ ۶۵

جس طرح ہر شر کی تہہ میں کوئی خیر پنہاں ہوتا ہے اسی طرح حدیث نبوی پر مسیحی فکری یلغار نے مسلمانوں میں اپنے عقائد پر متصلبانہ ایمان اور دفاع حدیث کا جذبہ پیدا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمسک بالحدیث اور ترویج و اشاعت حدیث کی شرح پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی۔ اس پر برصغیر کا اصولِ حدیث، تاریخِ حدیث، حجیتِ حدیث، تراجم وحواشی اور شروحاتِ حدیث کا وسیع ذخیرہ شاہد ہے۔ اس کا ایک اور اضافی فائدہ یہ بھی ہوا کہ برصغیر کے مسلمانوں میں ادیان کے تقابلی مطالعہ کا رجحان بڑھا اور یورپ سے درآمد تحقیقی میعارات سے بھی استفادہ کی سوچ پروان چڑھی۔ ایک مثبت نتیجہ یہ بھی نکلا ہے کہ اس طرح ایک معیاری لٹریچر کا ذخیرہ سامنے آیا۔

آج اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ جدید وسائل کے ساتھ ایسے تمام لٹریچر سے استفادہ کی سہولت عام ہو۔ فاضل اسکالرز کی سرپرستی اور رہنمائی میں اسلام اور حدیث نبوی کے بارے میں پیدا کردہ شکوک وشبہات اور اٹھائے گئے اعتراضات کا خالص علمی انداز میں جواب پیش کیا جائے۔ دور حاضر کی جدید ترین ٹیکنالوجی (انٹرنیٹ) سے بآسانی ہر ذہن تک رسائی حاصل کرنے والی غیر مسلم تبشیری کاوشوں کے تناظر میں یہ اور بھی زیادہ اہم ہے کہ اس بارے میں سنجیدگی سے راست اقدامات کیے جائیں، تاکہ اغیار کو دعوتِ دین کا فریضہ بھی بطریق احسن پورا ہو اور ساتھ ہی متاثرہ مسلمانوں کو ان شکوک وشبہات سے نکال کر حدیث اور سنت کی روشن راہ دکھلائی جاسکے۔ **قل هذه سبيلى ادعوا الى الله على بصيرة**

حواشی و مراجع

(۱) "ان الله اصطفى من ولد ابراهيم اسمعيل و اصطفى من ولد اسمعيل بنى كنانة و اصطفى من بنى كنانة قريشا و اصطفى من قريشا بنى هاشم و اصطفانى من بنى هاشم"، الترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی، السنن، ابواب المناقب، باب ماء جاء فی فضل النبی (مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۷۸ء)

(۲) قریشی ، محمد اسداللہ ، عیسائیوں اور مسلمانوں کی کشمکش کی تاریخ (نظارت اشاعت لٹریچر و تصنیف، ربوہ، س ن)ص. ی (پیش لفظ)
(۳) جونز ، ایل بیون ، اہل مسجد ، مترجم : جے عبدالسبحان (پنجاب ریلیجیس بک سوسائٹی ، لاہور ، طبع دوم، ۱۹۵۲)ص. ۷۷
(۴) ایڈورڈ سیل ، پادری ، عقائد اسلامیہ ، مترجم : شفقت اللہ حمیدی (امریکن مشن پریس ، لکھنؤ، ۱۸۸۳)ص. ۱۳
(۵) ابن حزم، علی بن حزم الاندلسی، الاحکام فی اصول الاحکام (فیصل آباد، ۱۴۰۴ھ) ج. ۲،ص. ۶
(۶) Hughes, Thomas Patrick, Dictionary of Islam, Premier Book House Lahore, 1964, pp. 639
(۷) عقائد اسلامیہ،ص. ۱۹
(۸) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ الرسول
۸الف انجیل متی: ۲۶: ۱۴-۱۶، انجیل لوقا ۲۲: ۳-۶
(۹) اہل مسجد،ص. ۷۹
(۱۰) کلیئر ٹزڈل ، ڈبلیو سینٹ، ینابیع الاسلام ، مترجم : پادری اکبر مسیح (پنجاب ریلیجیس بک سوسائٹی، لاہور، طبع دوم، ۱۹۵۳) ص. ۱۶
(۱۱) ویری، ای ایم، پادری، دین اسلام (امریکن ٹریکٹ سوسائٹی، لدھیانہ، طبع اول، ۱۹۰۵) ص. ۱۹
(۱۲) عقائد اسلامیہ،ص. ۹۰
(۱۳) غلام مسیح، پادری، تحقیق الاسلام پہلا حصہ مسمی حقیقت الاسلام (پنجابی پریس لاہور، ۱۹۲۴)ص. ۱
(۱۴) ایضا،ص. ۲
(۱۵) صفدر علی، پادری، نیاز نامہ (امریکن مشن پریس، لکھنؤ، طبع ثانی، ۱۸۷۸)ص. ۱۲۶
(۱۶) ایضا،ص. ۲۱۸
(۱۷) اہل مسجد،ص. ۷۶
(۱۸) ایضا،ص. ۷۷

(۱۹) ایضاص.۸۰

(۲۰) ایضا،ص.۷۹

(۲۱) فتح پوری، نیاز، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ (آواز اشاعت گھر، لاہور،س.ن)ص.۴۷

(۲۲) ینابیع الاسلام،ص.۴۲

(۲۳) ایضا،ص.۱۴۱

(۲۴) ایضا، صفحہ۱۵۱تا۱۸۰

(۲۵) ایضا،ص.۱۹۸

(۲۵الف) بشارت احمد، مجدد اعظم (حصہ اول) (احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور، باراول، ۱۹۳۹)ص. ۶۴۳ زیرعنوان: مسیح ہندوستان میں

(۲۵ب) قادیانی، غلام احمد، مرزا، چشمہ مسیحی (ربوہ،۱۹۶۰) ص.۸

(۲۶) پال، سلطان محمد، پادری، عربستان میں مسیحیت (پنجاب ریلیجیس بک سوسائٹی، لاہور، طبع اول ۱۹۴۵ء)ص ۱۸۵-۲۲۹

(۲۷) ایس اے حسن، ڈاکٹر، ہماری حدیث (حصہ دوم) (آصف بک ڈپو، لاہور، باراول،۱۹۵۲ء)

(۲۸) بحوالہ: شبلی نعمانی، سیرت النبی (مکتبہ مدنیہ، لاہور،۱۴۰۸ھ) ج.۲،ص.۳۹

(۲۹) ہفت روزہ ''اعتصام'' لاہور، جمعیت حدیث نمبر، ۷ فروری ۱۹۵۶، ص.۶۵، (فتنہ انکار حدیث کا عقلی اور تاریخی تجزیہ از محمد علی قصوری)

(۳۰) عمادالدین، تاریخ محمدی، بحوالہ: کانپوری، محمد علی، دافع التلبیسات (نامی پریس، کانپور، ۱۳۰۲ھ)ص.۱۷

(۳۱) اکبر مسیح، پادری، تاویل القرآن (پنجاب ریلیجیس بک سوسائٹی، لاہور، بارسوم،۱۹۵۲)ص.۴

(۳۲) اہل مسجد،ص.۸۹

(۳۳) عقائد اسلامیہ ،ص.۴۸

(۳۴) اہل مسجد،ص.۹۰

(۳۵) میور، ولیم، لائف آف محمد، بحوالہ: دافع التلبیسات،ص.۱۷

(۳۶) عمادالدین، تاریخ محمدی، بحوالہ: دافع التلبیسات،ص.۱۷

(۳۷) برکت اللہ، پادری، توضیح البیان فی اصول القرآن (پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، لاہور، س.ن) ص.۸۷

(۳۸) دین اسلام ، ص.۱۷

(۳۹) فانڈر، سی جی، پادری، میزان الحق (پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، لاہور، باردوم ۱۹۶۲ء) ص.۴۱۷

(۴۰) اہل مسجد ، ص.۸۲

(۴۱) نیاز نامہ ، ص.۸۷

(۴۲) عماد الدین، پادری، تحقیق الایمان (مطبع آفتاب پنجاب، لاہور، طبع اول، ۱۸۶۶) ص.۲۴

(۴۳) تفصیلات کے لیے دیکھئے:

M.M.Azami, Studies in Early Hadith Litrature(American Trust Publications, Indiana 1978)

الاعظمی، محمد مصطفی، دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینہ (المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۲ء)

(۴۴) مسعود احمد، تفہیم اسلام، جماعت المسلمین، (مطبع ندارد، اشاعت ثالث، ۱۹۸۷) ص.۵۷۸

(۴۵) انجیل متی: ۷:۲

(۴۶) جہلمی ، فقیر محمد، زبدۃ الاقاویل فی ترجیح القرآن علی الاناجیل (سراج المطابع ، جہلم ، ۱۳۰۷ھ) ص.۱۱

(۴۷) ایضا، ص.۱۵

(۴۸) اصلاحی، امین احسن، مولانا، مبادی تدبر حدیث (فاران فاونڈیشن، لاہور، ۱۹۹۴ء) ص.۹۰-۹۱

(۴۹) Encyclopaedia Birttanina, (1958) , vol.13 , pp.16-17

(۵۰) علوی، خالد، حفاظت حدیث (المکتبۃ العلمیۃ، لاہور، ۱۹۷۱) ص.۳۰۰

(۵۱) توضیح البیان، ص.۸۸

(۵۲) میزان الحق، ص.۴۰۷

(۵۳) ہماری حدیث، ص.۳

(۵۴) اہل مسجد، ص.۸۷

(۵۵) ایضا،ص.۸۸

(۵۶) ایضا، ص.۸۲

(۵۷ Studies in Early Hadith Litrature, pp. 304

(۵۸) عقائد اسلامیہ ص.۴۹

(۵۹) ایضا،ص.۲۵۶

(۶۰) دین اسلام،ص. ۲۲۴

(۶۱) عقائد اسلام ص.۱۱۷

(۶۲) خضری بک، محمد ، تاریخ فقہ (اردو) ، مترجم : مولانا تقی عثمانی ؛ حبیب اللہ ہاشمی (دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۶۷) ص.۸

(۶۳) ماہنامہ ''محدث'' لاہور، اشاعت خاص، فتنہ انکار حدیث، جلد۳۴، شمارہ ۸، ۹، اگست، ستمبر ۲۰۰۲ء)ص.۱۲۸(برصغیر میں فتنہ انکار حدیث از ڈاکٹر محمد عبداللہ عابد)

(۶۴) ہفت روزہ ''اعتصام'' لاہور، حجیت حدیث نمبر، جلد ۷ شمارہ ۲۸-۲۹، ۵ تا ۱۲ رجب ۱۳۷۵ھ/ ۱۷ تا ۲۴ فروری، ۱۹۵۶ء، ص.۶۵

(۶۵) ہفت روزہ ''اہلحدیث'' لاہور، خدمات اہلحدیث نمبر، جلد ۲۸ شمارہ ۳۹، ۷ جمادی الاخری ۱۴۱۸ھ/ ۱۰ تا ۱۶ اکتوبر ۱۹۹۷ء ، ص . ۲۱۳ (اہلحدیث کی خدمات حدیث اور منکرین حدیث از ڈاکٹر خالد ظفراللہ)

(نوٹ: ولیم میور اور اسپرنگر کی تحریریں دستیاب نہ ہوسکیں اس بنا پر اس مقالہ میں ان کا جائزہ نہیں لیا جاسکا۔ ساجد اسداللہ)

پاکستان میں

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی کے لیے رابطہ کریں:

جناب سجاد الٰہی صاحب 27-A، لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور

Tel: 0300-4682752, (R)5863609, (0)7280916

Email: Sammaradnan<talluadnan@yahoo.com>

۴۴۴